اُمت مسلمہ کے عصری مسائل اور خطبہ حجۃ الوداع-اطلاقی مطالعہ

عزیزہ خان*

ڈاکٹر صاحبزادہ باز محمد*

Islam is a complete code of life from Almighty Allah having the universal message for whole of humanity. The "Khutbah Hajjatul Wida (The Last Sermon of Prophet PBUH) presented by Prophet Muhammad (PBUH) is not only a complete code of life for Muslim Ummah but it contains about the every right and principles of human lives. The Holly Quran and Sunnah of Prophet Muhammad (BPUH) and His Universal Manifesto values and cares about human life irrespective of their ideologies, race and creeds but today it is forgotten. Today the Muslim Ummah has been facing numerous problems and suffering only due to that they have forgotten about the importance of This Universal Manifesto of Islam. The Ummah is shattered and divided into different groups and sects, only because of the forgotten message and this act of division is the main cause of their sufferings. Ummah's sufferings are only due to the forgotten lesson of articles of the Last Sermon of Prophet Muhammad (ﷺ) and His teaching. The entire society is dominated by the curse of lust and revenge and honors of people are on stack, social life is endangered by corruption and pillaging, Muslim Ummah became prominence in terrorism. Thus, it can be appreciated that Islamic viewpoint on social equality, brotherhood, individual liberty and mutual cooperation is a guiding light for Ummah as reflected from this last public sermon by Prophet Muhammad (ﷺ) adopting these would pave a way for a just-full political, and social system. This could be achieved only collaboration of materialism and mysticism so that progress and prosperity of Ummah may be made possible.

مسلم اُمہ ایک تعارف:۔

کرہ ارض پر موجود اسلام کے تمام پیروکار کسی بھی قسم کے سماجی، سیاسی ثقافتی تفاوت اور قومی سرحدات سے بالاتر ایک وحدت یاEntity تشکیل دیتے ہیں جسے اصطلاحاً مسلم اُمہ کہا جاتا ہے۔ مسلم اُمہ اس وقت عالمی آبادی کا تقریباً22 فیصد ہے یعنی کوئی سواچھ ارب انسانوں میں سے 1.5 بلین (ارب) مسلم اُمہ پر مشتمل ہے۔ اسلام مذاہب عالم میں دوسرا بڑا مذہب ہے۔ اسلام خالق کائنات کی طرف سے اپنے آفاقی اور عالمگیر پیغام کی بدولت بنی نوع آدم کے لئے رہتی دنیا تک اپنے اندر مکمل ضابطہ حیات سموئے ہوئے ہے۔ اور لا حل مسئلے کا حل پیش کرتا ہے اور سرور کائنات حضرت محمدؐ کا پیش کردہ منشور (خطبہ حجۃ

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف بلوچستان کوئٹہ۔

** چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ۔

الوداع)ایک مکمل ضابطہ حیات نہ صرف مسلم اُمہ کے لئے پیش کرتا ہے۔بلکہ تمام انسانیت کے لئے اس میں حقوق اور اصول زندگی پنہاں ہیں۔

مسلم اُمہ میں اخلاقی زوال وانحطاط:

خطبہ حجۃ الوادع کی اہمیت اپنے پیش نظر کے حوالہ سے فزوں تر ہے۔عہد رسالت کے بعد عرصہ دراز تک ہی انسانی اور آفاقی اقدار اسلامی معاشرہ کی روح رواں بنی رہیں۔جن کی ترجمانی اس منشور انسانیت میں کی گئی تھی،بلکہ شاید یہ کہنا بھی مبالغہ متصور نہ کیا جائے گا کہ آزادی وحقوق انسانی کا جو پروانہ سرکار رسالت مآبؐ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا اس نے خاکی انسانوں میں جرات وہمت اور آزادی وبے باکی کے ایسے شرارے بھر دیئے تھے کہ جس کے سبب ان کی گردن کٹ تو سکتی تھی مگر جھک نہیں سکتی تھی۔ پھر جب اسلامی اقتدار حدود عرب سے نکل کر شمال میں آگے بڑھا اور مشرق و مغرب کی وسعتوں پر چھاتا چلا گیا تو حقوق انسانی کی سوغات اور آزادیوں کا توشہ دوسروں اقوام وملک کو بھی ملا اور یوں جہاں جہاں شرف آدمیت کے چراغ روشن ہوئے اور احترام وحقوق انسانی کیلئے آواز بلند کی گئی،اس کا سرچشمہ اسی منشور انسانیت میں پنہاں ہے۔ آج ہم جس عہد میں زندگی گزار رہے ہیں، باری النظر میں اسی کی چکاچوند نگاہوں کو یقیناً خیرہ کر سکتی ہے،لیکن بہ نظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ظرف اور زماں کی ہزار تبدیلیوں کے باوجود "انسانیت" دم بہ دم خیر وفلاح سے محروم ہوتی چلی جارہی ہے،اقصائے عالم میں رفتہ رفتہ ایک عالمگیر جاہلیت کا اثرونفوز بڑھتا چلا جارہا ہے۔

ڈاکٹر نثار احمد اپنی تصنیف " خطبہ حجۃ الوداع کے عالمی اور آفاقی پہلو" میں اقوام عالم کے اخلاقی زوال و اطفال کو یوں بیان کرتے ہیں:

> انسانوں نے پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑنا، مچھلیوں کی طرح پانی میں تیرنا سیکھ لیا،لیکن آدمیوں کی طرح زمینوں پر چلنا بھول گئے۔اخلاقی ومصنویات اور حقیقی انسانی صفات وکمالات میں سخت انحطاط اور تنزل ہوا، غرض لوہے اور دہات کو ہر طرح ترقی ہوئی اور "آدمیت" کو ہر طرح زوال ہوا"قوم ہو یا فرد" آج ہر ایک کمزوروں سے طاقت کی زبان استعمال کر رہا ہے اور قوت کی وہی دلیل آگے لا رہا ہے،جو کبھی عہد جہالت کا طرہ امتیاز تھا۔انسانی حقوق کی پامالی اور آزادیوں کی غلامی کے ہزار عنوان قائم ہو گئے

ہیں، شیطانیت اور بہیمیت کا صحرا پھیلتا جارہا ہے اور شرف آدمیت و انسانیت کے چھوٹے چھوٹے نخلستان باقی رہ گئے ہیں، آج بھی غیر اللہ کی عبادت وطاقت کا بازار گرم ہے۔ آج بھی خواہشات نفس کا بت ہر سر لاہ بج رہا ہے۔ آج عالم انسانیت اپنی وسعت، وسائل سفر کی فراوانی، نقل و حرکت کی آسانی اور اقوام وممالک کے قرب و اتصال کے باوجود پہلے سے کہیں زیادہ تنگ ہے۔ اس وقت کا مادہ پرست انسان اس دنیا میں کسی دوسرے کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے فوائد اور خواہشات نفس اور خود پرستی کے ہوا اس کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ خود غرضی نے اس کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کسی لمبے چوڑے ملک میں دو آدمی بھی زندہ رہ سکیں، تنگ نظر وطن پرستی ہر ایسے انسان کو جو اس وطن کے باہر پیدا ہو جانے کا قصوروار ہے نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اس کے ہر کمال کے منکر ہیں اور اس کو ہر حق سے محروم کرتی ہے۔ انسانی معاشروں میں جاہلیت کے آثار و مفاخر نے پھر سے جنم لے لیا ہے، امن عالم کو پہلے سے زیادہ خطرہ درپیش ہے۔

استعماریت، طبقاتی کشمکش، نسلی اور قومی امتیازات نے خشکی وتری ہر جگہ فساد برپا کر رکھا ہے اور بحیثیت مجموعی، قبائے انسانیت گرد آلود ہوگئی ہے۔ اس صورت حال میں ایسے عالم میں پھر سے ضرورت ہے کہ " اس صوت ہادی" کو سنا جائے جس نے کوئی ڈیڑھ ہزار سال پہلے کایا پلٹ دی تھی کیا عجب منشور انسانیت کے ان چند فقروں کی دیانت دارانہ تعمیل سے ہی عالم انسانیت کتنی ہی لعنتوں سے نجات پا جائے اور اس شاہراہ حیات پر گامزن ہو جائے جو دین و دنیا کی فلاح کو ہے۔(۱)

مسلم اُمہ کا تعلیمات اسلام و منشور انسانیت سے انحراف ونتائج

اسلام نے بنی نوع انسان کو بنیادی انسانی حقوق کا الہامی تصور دیا ہے جو فکری، عقلی یا خود ساختہ نہیں ہے یہ تصور نظری بھی ہے اور عملی بھی، قرآن وسنت نے انسانی حقوق کے تعین کی وہ درست بنیاد فراہم کی ہے جو عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت پر مبنی ہے اور جس پر ایمان لا کر ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کون سے انسانی حقوق یا ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کون سے نہیں ہیں۔ قرآن و سنت نے

بنیادی انسانی حقوق کا جامع ترین عادلانہ تصور پیش کیا ہے جو تمام انسانیت کے لئے قابل عمل ہے۔ یہ تصور، احترام آدمیت، تحفظ جان، تحفظ ملکیت، تحفظ آبرو، نجی زندگی کا تحفظ، شخصی آزادی کا تحفظ، نکاح میں انتخاب کا حق، حسن زوق کا حق، معاشی تحفظ کا حق، مصیبت سے اجتناب کا حق، آزادی تنظیم و اجتماع، سیاسی زندگی میں شرکت کا حق، آزادی نقل و حرکت اور سکونت، حق اجرت و معاوضہ مسلمانوں کے خصوصی حقوق، غیر مسلموں کے خصوصی حقوق وضع کیئے گئے۔

کیا آج کے مسلمان اس منشور انسانیت اور قرآن و سنت کے ان تمام وضع کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔ قرآن و سنت اور آنحضرتؐ کے پیش کردہ آفاقی منشور میں بلا امتیاز عقائد، رنگ و نسل، تمام انسانوں کی جان انتہائی محترم ہے ان دونوں مصادر میں تحفظ جان کی اہمیت پر جس طرح زور دیا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی ہے مگر آج کل جان اپنی قیمت کھو بیٹھی ہے۔

موجودہ معاشرے مدینہ منورہ کے مثالی معاشرے سے بالکل برعکس ہے جس میں مہاجر اور انصار کے مابین اخوت کا رشتہ قائم ہوا تھا جبکہ موجودہ مسلم معاشرے جنگ و جدول اور چھینا چھبٹی کی عام جگاہ بن چکے ہیں۔

آج مسلم اُمہ جن مسائل سے دوچار ہے وہ دراصل قرآن و سنت سے انحراف کے منطقی نتائج اور زوال کا تسلسل ہے۔

فیض احمد شہابی اس بارے میں بالکل درست لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہیں کہ جب مسلم معاشرے کے افراد نے قرآنی تعلیمات سے منہ موڑا تو ان پر ادبار چھا گئی، نکبت کے اندھیروں میں نفاق، بد عملی اور جہالت کے عفریت پلتے بڑھتے رہے، تن آسان امراء سے روح و ضمیر کی دولت چھن گئی اور معاشرے کے عام افراد یقین کے جوہر سے محروم ہو گئے۔(۲)

آنحضرتؐ کی آخری وصیت پیش نظر رکھی ہو گی، رسولؐ کو اپنے آخری زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ جس چیز کا تھا وہ یہی تھا کہ کہیں مسلمانوں میں جاہلی عصبیتیں پیدا نہ ہو جائے اور ان کی بدولت اسلام کا قصر ملت پارہ پارہ نہ ہو جائے۔ آپؐ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو آپؐ نے اپنے اس عظیم خطبے میں اس ارشاد پر زور دیا آپؐ نے جاہلیت کے سب دعوے باطل کر دیئے تمام مسلمانوں کو مساوات کا درس دیا اور تمام مسلمانوں کی نہیں بلکہ تمام انسانوں کی عزتیں، جانیں اور اموال دوسرے پر حرام

ٹھہرائیں اور اتحاد کا حکم دیا اور خبر دار کیا کہ کئی ایسا نہ ہو کہ نبیؐ کے جانے کے بعد تم ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو اور گناہ کو گناہ نہ سمجھو۔

مولانا مودودی نے مسلمانوں کی خطبہ حجۃ الوادع کی ان نصیحتوں کو پامال کرنے اور اسلام کے لئے اس بڑے خطرے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "یہ فتنہ جس کے ظاہر ہونے کا سید الکونین کو اندیشہ تھا، حقیقت میں ویسا ہی مہلک ثابت ہوا جیسا کہ آپؐ نے فرمایا تھا، قرون اول سے آج تک اسلام پر جو تباہی بھی نازل ہوئی ہے اسی کی بدولت ہوئی ہے، وصال نبوی کے چند برس بعد ہاشمی اقتدار کے خلاف اموی عصبیت کا فتنہ اٹھا اور اس نے اسلام کے اصلی نظام سیاست کو ہمیشہ درہم برہم کر دیا۔ پھر اس نے عربی، عجمی اور عصبیت میں مبہور ر کیا اور اسلام کی سیاسی وحدت کا بھی خاتمہ کر دیا"۔(۳)

اختر مجازی اپنی تصنیف "انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرت رسول" میں اس پہلو کو یوں اجاگر کرتے ہیں۔

آج ساری دنیا پریشان ہے انسانی مسائل میں گھتیوں پر گھتی پڑتی جارہی ہے جو طریقے بناؤ اور سدھار کے لئے اختیار کیے جاتے ہیں وہ الٹا بگاڑ کے باعث ہوتے ہیں کسی کو چین و سکون حاصل نہیں ایک دائمی بے اطمینانی کا عنصر ہے جو سب پر مسلط ہے لڑائی جھگڑے، خونریزی فسادات، انقلابات اور باہمی کشمکش نے دنیا کا سکون بالکل غارت کر دیا ہے۔ انسان انسانوں سے، فرد افراد سے، قومیں قوموں سے، فرقے فرقوں سے، طبقے طبقوں سے اور پارٹیاں پارٹیوں سے دست و گریباں ہے اور یہ کشمکش وہ آگ ہے جو ٹھنڈا ہونے کا نام نہیں لیتی ہر شخص خود غرض اور مکر و فریب میں مبتلا ہے۔(۴)

دنیا کے نقشے پر اگر نظر ڈالی جائے تو نظر آئے گا کہ بیشتر اسلامی ممالک جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے متصل ہے لیکن یہ امر انتہائی افسوس ناک ہے کہ مذہبی و سیاسی اعتبار سے ان میں کوئی وحدت نہیں آج پوری مسلمان دنیا جس زبوں حالی کا شکار ہے اس کے اہم اسباب میں سے قرآنی تعلیمات سے دوری اور آپس کا اختلاف و اختراق ہے۔ آج مسلمان ایک خدا ایک قرآن، ایک کعبہ، ایک کلمہ جیسی اُمت واحدہ بنانے والی بنیادیں رکھتے ہوئے بھی مختلف مصیبتوں کا شکار ہیں کہیں نسلی مصیبتیں ہیں اور کہیں لسانی وعلاقائی ان مصیبتوں کی وجہ سے امت ٹکڑے ٹکڑے بن کہ دشمنوں کے لئے نرم چارہ بن گئی ہے۔ ان

حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان قرآن و سیرت نبویہؐ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اپنے اندر اتحاد و اتفاق اور یگانگت پیدا کرے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔

> نبی کریمؐ نے مسلمانوں کو اتحاد یگانگت کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ " ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں عمارت کی مانند ہے ، جیسے کے ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے اور آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھائیں۔(۵)
>
> ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے، ایک مسلمان کی عزت، اس کا مال اور اس کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔(۶)

لیکن ان ارشادات کے برعکس آج اقوام مسلم میں باہمی اتفاق و اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی قوت منتشر ہو چکی ہے مسلمان آپس میں جسد واحد بن کر رہنے کے بجائے فرقوں، گروہوں اور مختلف علاقائی و لسانی تنظیموں میں بٹے ہوئے ہیں، وحدۃ کلمہ اور وحدت جماعت کا مکمل فقدان ہے ایسا مسئلہ کئی نظر نہیں آئے گا جس میں باہم مسلمان ممالک کے عوام اور حکمران آپس میں متحد ہو۔ مسلمانوں کے اس وقت کے سلگتے مسائل پر مسلمانوں کا موقف ایک نہیں۔ بلکہ اخلاق و قانون کے معروف ضابطے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ قوموں کے درمیان بھی اور انسانوں کے درمیان بھی معروف اور منکر کا احساس ختم ہو گیا ہے اس کی تمیز اُٹھ گئی ہے بلکہ منکر معروف بن گیا ہے اور معروف منکر کئی جنگ کے طبل بج رہے ہیں تو کہیں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات اور حجۃ الوداع کی دفعات کا جو موقف پیش کیا گیا تھا وہ یکسر بھلا دیا گیا ہے ہوس و انتقام کے ہاتھوں عزت و آبرو کا دامن تار تار ہے معاشرتی زندگی میں لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانی کا راج ہے، ہر طرف ظلم و زیادتی، بے ایمانی، دھوکہ دہی، رشوت اور بدعنوانی، ہوس، تنگ دلی عام ہے۔ وہ امت جو ہر لحاظ سے ناقابل تقسیم وحدت تھی آج وہ مختلف جماعتیں اور گروہ مسلموں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں اور چھوٹے چھوٹے فروعی اور نقطہ نظر کے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک کیا جارہا ہے اور یہ اختلاف رائے بڑھ کر باقاعدہ نزاع اور

جنگ وجدال کی صورت اختیار کر گئی ہے مسلم اُمہ کی اس کوتاہی پر مفتی محمد شفیع نے ”وحدت اُمت“میں یوں تبصرہ کیا ہے:

”غیر منصوص احکام کے بارے میں اختلاف رائے خود رسولؐ کے عہد میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے عہد میں، جب نئے نئے مسائل سامنے آئے جن کا ذکر قرآن اور احادیث میں صراحتًانہ تھا تو اختلاف رائے ہوا اور یہ اختلاف رائے عقل وذہانت کی بنا پر ناگزیر بھی تھا لیکن کبھی بھی مستقل جھگڑوں اور ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک نہیں پہنچی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اس حوالے سے حضورؐ اور صحابہ کے بے شمار ارشادات ہیں اور آئمہ کرام نے تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔(۷)

انسان دوسروں کو نرمی، خیر خواہی سیمتنبہ کر دے اگر وہ قبول کرے تو بہتر ہے ورنہ جھگڑا اور بد گوئی نہ کرے کیونکہ علم میں جھگڑا اور جدل علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔

مفتی محمد شفیع نے اس حوالے سے بڑی اچھی بات کی ہے

”اجتماعی وفروعی اختلافات کے ساتھ جو معاملہ آج کیا جا رہا ہے اسی بحث ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنا لیا گیا ہے اور اس پر باہمی جنگ وجدال اور شب وشتم تک نوبت پہنچادی گئی ہے، یہ طرز عمل بلاشبہ ولا تفرقو کی کھلی مخالفت اور صحابہ وتابعین کی سنت کے خلاف ہے، اسلاف اُمت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہاد واختلافات کی بنا پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح تنقید کیا گیا ہو جیسا آج ہو رہا ہے۔(۸)

آج بھی شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی امت کے حوالے سے یہ تشخیص سو فیصد درست ہے۔

”میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور وفکر کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی ودنیاوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا دوسرے آپس کا اختلاف اور خانہ جنگی، اسی لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں گا کہ قرآن حکیم کو لفظاً ومعناً عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدائی کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے“۔(۹)

آج اُمت مسلمہ دہشت گردی اور انتہاپسندی جیسے مسائل سے دوچار ہے اسلام کو دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ کچھ مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہے۔ اسلام کو نہ تو دہشت گردی کر کے اور نہ ہی اپنے مذہب میں انتہاپسندی کر کے مضبوط اور باور کرایا جاسکتا ہے یہ تمام ہمارے اسلاف اور تعلیمات کے منافی اصول ہیں یہ انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم ہے کوئی صحیح العقل انسان دہشت گردی اور تشدد کی حمایت نہیں کر سکتا۔ دین اسلام امن کا داعی و حامل دین ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْن۔ (۱۰)

ترجمہ: ”اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں، اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے “

اور ارشاد ہے:

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنْ (۱۱)

ترجمہ: ” بیشک اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا“ اسلام تو فتنہ وفساد کو قتل سے بھی زیادہ ناپسند کرتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَاَخْرَجُوْھُمْ مِنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ(۱۲)

ترجمہ: ” اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور فتنہ تو مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے“

قتل ناحق پر اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت سخت سزا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًامُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا(۱۳)

ترجمہ: ” اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب“

ان شرپسندوں کے لئے دنیا میں بڑی سخت سزا رکھی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا جَزَاؤُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلَھُمْ مِنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْامِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ(۱۴)

ترجمہ: یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھا دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے۔ یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے"

یہ لوگ تو مسلمان کہلانے کے بھی حقدار نہیں ہیں اگر چہ کوئی مذہبی پس منظر بھی رکھتے ہوں کیونکہ مومن و مسلمان وہ ہیں جن سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے عوام کی خدا اور سول کے ان ارشادات سے روشناس کرایا جائے اور مرتکب افراد کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ اسلام کے نام پر دہشت گردی اور فرقہ وارانہ روش کی ہماری دین اور تعلیمات میں کئی ذکر نہیں یہ تمام عناصر جو آج اُمت مسلمہ میں پروان چڑھ رہے ہیں یہ صرف اپنے اساس یعنی دین کے اصولوں اور تعلیمات نبوی سے انحراف کے نتیجے میں ہے۔ حالانکہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اللہ رب العزت کا مسلمانوں سے غلبے اور نصرت کا وعدہ قرآن عظیم میں کئی جگہ کیا گیا ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: ہم پر یہ حق تھا (ہے) کہ مومنوں کی مدد کریں (۱۵)

كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں (۱۶)

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: اللہ مومنوں کا ولی اور حمایتی ہے۔ (۱۷)

اور

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

کہ تم ہی غالب رہو گے۔ (۱۸)

لیکن اس وقت امت مسلمہ عدد کثرت اور جغرافیائی اہمیت کے باوجود دنیا میں مغلوث اور کمزور ہے بلکہ پٹ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اب بھی اپنی جگہ سچا ہے لیکن مسلمان آج اس ایمان کی قوت سے محروم ہیں جو اسے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنائے ہوئے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس لیے تو فرماتا ہے کہ غلبہ تمہارا ہی ہے لیکن

شرط یہ ہے "ان کنتم مومنین" اگر تم حقیقی طور پر مومن ہو۔(۱۹) بلکہ حدیث میں ایمان باللہ کی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لو عرفتم اللہ حق معر فتہ لزالت بدعائکم الجبال۔ (۲۰)

یعنی اگر تم اللہ کی معرفت کماحقہ حاصل کر لو تو تمہاری دعا سے پہاڑ ٹل جائیں۔ گویا آج امت مسلمہ مجموعی اعتبار سے اس ایمان حقیقی سے محروم ہے جس کی بناء پر نصرت و غلبے کا وعدہ ہے، فرشتوں کے نزول کے مژدے ہیں، وہ وعدے آج بھی ہیں لیکن فضا بدرپیدا کرنی ہے، ایمان ابراہیم کا احیاء کرنا ہے اور "یایھاالذین امنوا امنو" کے مطابق دوبارہ اس تعلق کو قوی بنانا ہے جسے امت مجموعی اعتبار سے کمزور کر چکی ہے۔مادی اسباب اپنی جگہ اہم ہیں اور رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں حاصل کرنا ضروری ہے لیکن اس دوران اس حقیقی مسبب کو نہ بھولا جائے جو تمام اسباب کو موثر بنانے والا ہے ۔ جذبات اور جوش کے بجائے اگر ٹھنڈے دل سے امت مسلمہ کے زوال کی بنیادی وجہ پر غور کیا جائے تو ایک بات قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھ آتی ہے کہ

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ (۲۱)

اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں۔

وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (۲۲)

اور کسی فرد یا جماعت پر ذرا برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

خصوصاً وہ امت جسے وہ خود اپنی کتاب میں خیر امہ اور امت وسط کے القابات سے شرف بخشا ہے، کیا وہی خدا پھر اسی امت کو ظالموں کے حوالے کر کے خوب پٹواتا ہے۔ اور ان کی مدد بھی نہیں کرتا۔ امت کی اس حالت کو پہلی امتوں کے واقعات کی روشنی میں وہ صاف بیان کرتا ہے۔

وَمَاظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (۲۳)

انہوں نے ہمارا نقصان نہیں کیا لیکن وہ (ہم سے روگردانی کر کے) اپنا ہی نقصان کرتے تھے وہ تو صاف اپنی کتاب میں فلسفہ عذاب کو یوں بیان کرتا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (۲۴)

اور

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (۲۵)

گویا اللہ رب العالمین کے تمام وعدے سچے ہیں، وہ اب بھی امت کے آخری حصے کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہتا ہے جو اس نے سابقون الاولون کے ساتھ کیا۔ لیکن اس کے لئے مادی اور دنیاوی تیاری کے ساتھ رب تعالیٰ سے اپنے تعلق کو دوبارہ از سر نو استوار کرنا پڑے گا اور آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں پیچھے لوٹ کر اپنے خدا سے معاملہ صاف اور رابطہ قوی بنانا پڑے گا اور اسی سچے اور حقیقی طاقت کا سہارا پکڑنا پڑے گا جسے چھوڑ کر ہم بہت آگے نکل آئے ہیں یہی وہ بات ہے جسے آپ ﷺ نے بھی بیان فرمایا:

"عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تمہارے خلاف دنیا کی قومیں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو خوان کی طرف دعوت دیتے ہیں، کسی نے پوچھا کیا یہ (ذلت وشکست) اس وجہ سے ہو گی کہ ہم لوگ اس زمانے میں کم ہو جائیں گے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں بلکہ تعداد میں تم اس زمانے میں بھی زیادہ ہو گے لیکن اس زمانے میں تمہاری حیثیت سیلاب کے اوپر بہنے والے خس و خاشاک اور جھاگ کی ہو گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وھن کی بیماری ڈال دے گا" پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ وھن کیا چیز ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"دنیا کی محبت اور موت سے نفرت" (حب الدنیاو کراھیۃ الموت) (۲٦)

دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کیوں آتی ہے، جب انسان کا اپنے اللہ سے تعلق کمزور پڑ جاتا ہے، اس کے وعدوں پر یقین اور اعتماد کے بجائے عاجلہ (دنیا) کے عیش و آرام کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے، پھر رب تعالیٰ کی مدد ہٹ جاتی ہے اور جب وہ کسی بے یارو مددگار چھوڑ دیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اور اعلیٰ ٹیکنالوجی انسان (یا اس جماعت) کو ذلت سے نہیں بچا سکتی:

یہی وہ خدائی طاقت تھی جس نے حضور ﷺ اور صحابہ کو ہر میدان میں غلبہ سے ہمکنار کیا اور جسے ایران کے گورنر نے خوب بیان کیا۔

جب ایک دفعہ ماضی میں ایران کے شکست خوردہ ہرمزان سے حضرت عمرؓ نے پوچھا: ماضی میں جب کبھی بھی عرب والوں نے آپ پر حملہ کیا تو آپ نے اتنی

آسانی سے شکست دے دی لیکن کیا وجہ ہے اب انہی عربوں نے آپ کی عظیم سلطنت (فارس) کو شکست دے دی۔ ہرمزان نے جواب دیا" ماضی کی جنگوں میں ایرانیوں کا مقابلہ صرف عربوں سے ہوتا تھا اور ان پر غلبہ حاصل کرنا کچھ مشکل نہ تھا لیکن اب کی بار ایران کے مقابلے میں عربوں کے ساتھ انکا خدا (جو تمام طاقت کا سرچشمہ) بھی موجود ہے تو ہم کیسے ایسی طاقت کو شکست دے سکتے ہیں۔(۲۷)

اُمت کو اس عظیم طاقت کو ساتھ لینے کی ضرورت ہے جس کی طاقت میں نہ کبھی کمی آئی ہے اور نہ ہی وہ کبھی کسی سے شکست کھاتی ہے ہم دعویٰ تو نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کی امت میں ہونے کا کرتے ہیں لیکن کبھی اس نبی ﷺ اور اس کے خدا سے وہ رشتہ اور تعلق جوڑا ہی نہیں جو دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیوں کی کنجی ہے۔

قوموں کو مسائل اور مشکلات سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے کچھ ضابطے اور قوانین ہیں جنہیں وہ عام طور پر تبدیل نہیں کرتا

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَبْدِيْلاً وَلَنْ تَجِدْ لِسُنَّتِ اللهِ تَحْوِيْلاً ﴿﴾ (۲۸)

قرآن کریم نے متعدد آیات میں اس سنت الٰہی کو بیان کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب لوگ خیر کو چھوڑ کر شر اختیار کرتے ہیں، بناؤ کے بجائے بگاڑ کے کام کرنے لگتے ہیں اور ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں، تو اللہ اپنے ضابطے اور سنت کے مطابق ان کی خوشحالی کو بدحالی سے، طاقت کو ضعف سے، عزت کو ذلت سے اور ان پر اپنی نوازشیں عذاب سے بدل دیتے ہیں قرآن عظیم میں آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کو انجام بیان کرنے کے بعد اسی سنت الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللهَ لَمْ یَکُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿﴾ (۲۹)

یہ اللہ کی سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جبتک کہ وہ خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے آل فرعون اور ان سے پہلے قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطے کے مطابق تھا۔ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو

جھٹلایا تب ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا یہ سب ظالم لوگ تھے۔

اسی سنت کا دوسرا روشن پہلو بھی ہے جس کے بغیر یہ سنت مکمل نہیں ہوتی اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب لوگ اپنے اندر یا اپنے طرز عمل میں مثبت تبدیلی لانے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ جب ان کی اس تبدیلی کا رجحان شر سے خیر، گمراہی سے ہدایت، انحراف سے استقامت، بگاڑ سے بناؤ، کس مندی سے عمل اور ذائل اخلاق سے اعلیٰ اخلاق کی طرف ہو جاتا ہے تو وہ اس ظابطہ الٰہی کی رو سے اس بات کے مستحق ٹھہرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بد حالی کو خوشحالی، ان کی کمزوری کو طاقت و قوت، ذلت کو عزت، شکست کو فتح و نصرت اور حالت خوف کو حالت امن سے بدل دے۔ جس طرح وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اس دنیا میں دوسروں کی نگاہ میں بے حیثیت اور بے وزن ہو گئے تھے، اب انہیں اس دنیا میں اقتدار تمکنت عطا کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۝ (۳۰)

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی“

آج امت مسلمہ اگرچہ سنت الٰہی کے مطابق سزا بھگت رہی ہے لیکن اب اگر وہ اصلاح احوال پر کمربستہ ہو جائے تو وہ ایک عظیم قوم اب بھی بن سکتی ہے۔

امت مسلمہ کا کردار

چند ناگزیر تقاضے

اسلام مساوات انسانی کا ایک ایسا علم بردار معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں ہر شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کا وہ حق دار ہوتا ہے۔ اسلام اس اصول کی پوری پاس داری کرتا ہے۔ اب اگر امت مسلمہ حقیقت اور انصاف کی نظر سے دیکھے تو عصر حاضر میں سب سے زیادہ زوال پذیر اور ابتر حالت میں صرف اور صرف وہی ہے اسے اپنے رب اور اپنے نبیؐ سے کئے گئے وعدوں پر اترنے کا ایک سنہری موقع نصیب ہو رہا ہے اب تساہل سے کام لینے کی کوئی گنجائش نہیں، اسے اپنا کڑا احتساب کرنا ہو گا ان حالات میں اب امت مسلمہ پر لازم ہے کہ اپنی منتشر صفیں درست کرے انتشار کے نتیجے میں اس

نے آج تک بڑے نقصان اٹھائے ہیں۔ آج دنیا میں ۵۰ سے زیادہ اسلامی مملکتیں موجود ہیں۔ یہ تمام بے پناہ قدرتی وسائل اور خزانوں سے معمور ہیں، لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح معنوں میں آزاد مملکت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان میں سے کوئی مجبور ہے تو کوئی معذور، ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ غیر مسلم آقاؤں کی خوشنودی میں ایک دوسرے کے سلامتی سے بھی کھیل جانے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ اب عالم اسلام پر لازم ہے کہ وہ اتحاد و تعاون کی فضا قائم کرے، باہمی گروہ بندی اور عدم تعاون کی فضا ختم کرے ایک صف میں کھڑے ہو۔

حقوق انسانی کا اسلامی تصور اُجاگر کرنا :

آج اُمت مسلمہ پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی، معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی مظاہرہ کرے اور حقوق انسانی کے تحفظ کا وہ نمونہ پیش کرے جو اس کے اسلاف نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ عفوو درگزر، صبر واستقلال اور عدل وانصاف کے ذریعے وہ معاشرہ تشکیل دے جس کی مثال سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔

اسلام کی روحانی اقدار کو اجاگر کرنا:

اسلام نے روحانیت کی تعلیم کو "الاحسان" کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ اسلام میں عبادات کا مقصد ہی انسان کو روحانی تسکین فراہم کرنا اور اسے اپنے اللہ کے قریب تر لے جانا ہے۔

مذاہب کے درمیان مشترکہ اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنا:

آج اُمت مسلمہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مل جل کر فروغ دے، جو اسلاف اس نے میراث میں پائی تھیں اور جنہیں اب وہ کافی حد تک گنوا بیٹھی ہے اور جو تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہیں، صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف باہمی محبت، شفقت اور تعظیم کی صفات نہ صرف اس کے اندر پیدا ہو جائیں بلکہ ان کے فروغ کے لئے ہر مسلمان انفرادی سطح پر بھی ان کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہر مومن ان اوصاف حمیدہ کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ دوسروں کے دلوں میں اس کے خلاف بھری کدورت نہ صرف نکل جائے بلکہ وہ ازخود اس طرف کھچے چلے آئیں۔ (۳۱)

ہر مسلمان دین کا سچا داعی بن جائے:

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مومن کا جسم اور روح دونوں صحیح معنوں میں سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں لگ جائے۔ وہ خدا کے سچے دین کا سچا داعی بن جائے۔ وہ ہدایت کا ایسا چراغ بن جائے جو جہاں بھی جائے اس کے ارد گرد کا ماحول اس کے کردار اور اس کے پاکیزہ الفاظ کی کرنوں سے جگمگانے لگے۔ اس کے لباس، خوراک، رہن سہن، بودوباش، بول چال اور معاملات سے وہی خوشبو آئے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی سیرت سے آیا کرتی تھی۔ وہ حق کا پیغام گھر گھر پہنچانے پر کمر بستہ ہو جائے۔ وہ اپنے اللہ کا فرمان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بن جائے۔ اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو اور اس پر نظر پڑے تو اللہ یاد آ جائے۔:

نیا عالمی منصوبہ:

اُمت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسا عالمی اسلامی منصوبہ تشکیل دے جس پر عمل پیرا ہو کر پس ماندگی کی حالت کو بدل کر ترقی اور سبقت لے جانے کی فضا پیدا ہو سکے۔ ہم بلاشرکت غیرے ایک ہزار سال تک دنیا کی قیادت کرتے رہے ہیں۔ ہماری تہذیب و تمدن ساری دنیا میں رائج تھی۔ ہم نے ساری دنیا کے لوگوں کو آداب حیات سکھائے تھے۔ ہم پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ جہالت و پس ماندگی ہماری سرشت کا حصہ نہیں اور نہ ہی ہماری موجودہ حالت اسلام کے مزاج سے میل کھاتی ہے۔ اس لئے یہ درست نہ ہوگا کہ ہم انقلابات زمانہ کے شانہ بشانہ نہ چلیں۔ اس دور کی خاصیت اطلاعی و ابلاغی و فضائی انقلابات ہیں جن سے منہ موڑے رکھنا یا پہلو تہی برتنا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔ کیا ہم کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے دور میں پرانے آلات و وسائل پر ہی اکتفا کئے رہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

حصول ترقی کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں رائج فلسفہ تعلیم و نظام میں مثبت تبدیلیاں لائی جائیں تاکہ اسلامی معاشرے میں اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ ماہرین تیار ہوں، جو نئی ایجادات کی قدرت رکھتے ہوں۔ اس وقت ساری دنیا میں مسلمان ماہرین اور سائنس دان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایسے حالات پیدا کرنے ہوں گے کہ اسلامی معاشرے میں خدمات انجام دینے کیلئے وہ اپنے ممالک میں بخوشی واپس آسکیں۔ ہمیں شرح خواندگی کی کمی کو بھی دور کرنا ہوگا اور اس کے لئے قابل عمل منصوبہ بنانا ہوگا۔(۳۲)

عالمی صیہونی تحریک کا مقابلہ:

اُمت مسلمہ کے لئے ممکن نہیں کہ تہذیب و تمدن کی بلندیوں کو چھو لے جب تک کہ وہ اپنے وجود کے خلاف ہونے والی عالمی صیہونی سازش کا مقابلہ کرتے ہوئے اسے شکست فاش نہ دے دے۔ اسی طرح اسلام دشمن قوموں کی سازشوں کو سمجھنا اور ان کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دینا بھی اسی کا جزو ہے۔ یہ ہدف زبانی دعوؤں اور امن و سلامتی کے نام پر کئے جانے والے معاہدوں سے، جن کا واضح مقصد ان قوتوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے، حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے لئے بصیرت افروز پختہ سوچ اور گہرے ایمانی جذبات کا پایا جانا ضروری ہے۔

اُمت مسلمہ کے احیا کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوامی سطح پر اور حکومتی و عسکری سطح پر نئے عزم اور ولولے سے پختہ بنیادوں پر کام کا آغاز کیا جائے۔ وہ طرز فکر و عمل اپنایا جائے جس سے ہر مسلمان نفسیاتی،

فکری اور تہذیبی و تمدنی حوالے سے اپنا سر بلند کر کے چل سکے اور اسلام دشمنوں کے خوابوں کو پاش پاش کرنے کے لئے حوصلہ پاسکے۔

ہمہ جہت ترقی کے لئے جدوجہد:

جس ہدف کو ہمیں خاص اہمیت دینی چاہیے۔اور جس کے حصول کے لئے ہمیں کمربستہ رہنا چاہئے وہ اسلامی معاشرے کی ہمہ جہت مجموعی ترقی کا حصول ہے۔اس کے لئے بھرپور اور دوررس منصوبہ بندی کی جائے۔یہ انسانی وسائل کو انسانی ترقی کے لئے سرگرم کرنے سے ممکن ہے۔یعنی انسان ہی اس کا محور ہے اور خود انسان ہی اس کا حصول کا ذریعہ ہے جو موجودہ وسائل کو بہترین انداز سے استعمال کرتے ہوئے ترقی کی منازل طے کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔یہ ہمہ جہت ترقی مسلمانوں کی اقتصادی ترقی، پیداوار کے متوازن استعمال اور معاشرے میں اس کی منصفانہ تقسیم،لوٹ کھسوٹ اور ملاوٹ وبدعنوانی کو ترک کرنے سے ممکن ہے۔ایسا اگر ہوسکے تو اُمت مسلمہ اقتصادی دباؤ سے نکل آئے گا۔مسلمان ممالک میں خود کفالت کی صورت پیدا ہوسکے گی،اور آپس میں ایک دوسرے کی ضروریات واحتیاجات کو پورا کرنا ممکن ہوگا۔(۳۳)

منصفانہ معاشرے کا قیام:

ترقی کے حصول کے لئے ہمیں معاشرتی ظلم وزیادتیوں کے خلاف بھی علم جہاد بلند کرنا ہوگا۔یہ فساد اور ظلم وجور مسلمانوں کے معاشرے میں عام ہے۔ہمارے لئے لازم ہے کہ عدل اجتماعی کو قائم کریں،جس سے حق دار کو اس کا حق ملنے کی ضمانت فراہم ہو۔یہاں تک کہ ہر بے روزگار کو بہتر روزگار،مزدور کو اچھی اجرت، بھوکے کو روٹی، مریض کو دوا، بے سہارا کو سہارا، بے لباس کو لباس، ہر محنت کرنے والے کو بہترین صلہ اور محتاج کو کفایت کرنے والا وسیلہ فراہم ہوجائے۔(حقیقی منصفانہ معاشرہ وجود میں لانے کی کوشش،ترقی اسلام کی کوشش ہے جس کا احیا اشد ضروری ہے)

خواتین کی اہمیت:

یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان کو صحیح مقام و مرتبہ دیا جائے۔خواتین کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ خواتین معاشرے کا عددی لحاظ سے نصف حصہ ہیں۔بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں، گھر اور معاشرے پر ان کے براہ راست مثبت یا منفی ہر دو طرح سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مسلمان مردوں کے لئے ضروری ہے کہ خواتین کے ساتھ ان کے اولین فریضے کی ادائیگی میں معاونت کریں جو گھر کی نگہداشت، خاوند کا خیال اور نسل انسانی کی تربیت کرنے کے اعلیٰ اعمال پر مشتمل ہے۔ اس میں دورائے نہیں (جنہوں نے تجربات کرنے تھے، کر لئے پھر بھی یہی نتیجہ نکلا) کہ خواتین سے یہ مقام کوئی اور نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسے درست انداز سے ادا ہی کر سکتا ہے۔ لہٰذا خواتین کے ساتھ بھر پور تعاون کیا جانا چاہیے تا کہ وہ اچھی بیوی، بہترین ماں، اور مفید شہری ثابت ہو سکیں۔

منصفانہ سیاسی نظام کا قیام:

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا اہداف اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے، جب تک کہ منصفانہ سیاسی نظام رائج نہ کیا جائے۔ وہ نظام جس سے تمام شہریوں کو ان کے صحیح حقوق حاصل ہو جائیں، جو انسان کے مقام و مرتبے اور آزادی رائے کا احترام کرنے کا ضامن اور انسانی جان و مال و عزت کا رکھوالا ہو۔ یہ ایسا نظام ہو جس سے روح شورائیت بیدار ہو اور خیر خواہی اور ذمہ داری کا جذبہ پروان چڑھے۔ یہ نظام اسلام کے شرعی طرز سیاست پر مبنی ہونا چاہیے۔ جس کا بنیادی مقصد اُمت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ ہو۔

بیداری اُمت کی ضرورت:

ان اہداف کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانان عالم کو پھر سے بیدار کیا جائے۔ اس کے لئے موجودہ معیار ایمان و اخلاق کو اوپر اٹھانے کی سعی کرنی ہو گی یہاں تک کہ آج کے مادی مسلمان میں روحانیت کی بلندی و عظمت پھر سے جاگ اٹھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ صرف مادی ترقی اُمت مسلمہ کے احیائے نو کا سامان نہیں کر سکتی۔ البتہ مادیت و روحانیت کے باہم اشتراک سے یہ ترقی ضرور ممکن ہے۔(۳۴)

حوالہ جات وحواشی

(۱) ڈاکٹر نثار احمد، خطبہ حجۃ الوداع کے عالمی اور آفاقی پہلو، ص ۱۲۰

(۲) فیض احمد شہابی، مشرقی یورپ میں مسلمانوں کا عروج وزوال، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۲

(۳) مولانا ابوالاعلی مودودی، عصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل، ادارہ معارف اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۸۶

(۴) اختر حجازی، انسانیت کے موجودہ مشکلات اور سیرت رسول، ترجمان القرآن، لاہور، ص ۷

(۵) ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع البخاری، کتاب الایمان، باب فضل تعاون المومن، دارالقلم، شام دمشق ۱۹۸۱ء

(۶) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی، ابواب اظہر، باب ماجاء فی سفقہ المسلم علی السلم، بیروت لبنان، دارالغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء

(۷) مفتی محمد شفیع، وحدت امت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۷

(۸) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، دارالعلوم کراچی ۱۹۸۲ء، ج ۲، ص ۱۶۴

(۹) مفتی محمد شفیع، وحدت امت، ص ۴۰

(۱۰) القرآن ۲۸/۷۷

(۱۱) القرآن، ۴۲/۴۰

(۱۲) القرآن، ۲/ ۱۹۱

(۱۳) القرآن، ۴/۳۹

(۱۴) القرآن، ۵/۲۳

(۱۵) القرآن، ۱۰/۱۰۳

(۱۶) القرآن، ۱۰/۱۰۳

(۱۷) القرآن، ۳/۶۸

(۱۸) القرآن، ۳/۱۳۹

(۱۹) القرآن، ۳/۱۳۹

(۲۰) فرمان رسول ﷺ بحوالہ شیخ یوسف قرضاوی، ایمان ایک عظیم قوت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ستمبر ۲۰۰۳ء، ص ۳۲۔

(۲۱)القرآن،۴/۱۲۲
(۲۲)القرآن،۴۰/۲۹۔۲۸
(۲۳)القرآن،۲/۵۷
(۲۴)القرآن،۴۶/۳۰
(۲۵)القرآن،۳۲/۲۱
(۲۶)ابوداؤد سلیمان بن اشعت،السنن،کتاب الملاحم،باب ماجاءفی نداعی الامم علی السلام،مکتبہ امدادیہ،ملتان، ج۲،ص۲۴۲
(۲۷)شاہکار رسالت ، حضرت عمرؓ کی سوانح حیات بحوالہ مضمون"What Happend to Islam after Umer"،ماہنامہ طلوع اسلام،مئی۲۰۰۶
(۲۸)القرآن،۳۵/۴۳
(۲۹)القرآن،۸/۵۳۔۵۴
(۳۰)القرآن،۱۳/۱۱
(۳۱)سعید اکرم،عصر حاضر اور اسلامی معاشرے کی تشکیل،ترجمان القرآن اکیڈمی،جنوری۲۰۰۶ء،ص۶۹
(۳۲)علامہ یوسف قرضاوی، اکیسویں صدی اور ہماری ذمہ داریاں ، ترجمان القرآن اکیڈمی ، اپریل ۲۰۰۱،ص۴۹
(۳۳)ایضاً،ص۵۰
(۳۴)ایضا،ص۵۲